مدینہ، مدینہ

قیمت: 20 روپے

بُتوں کو گرائے

مدینہ... مدینہ

شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے گھر میں.....

درست کیجیے!

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

روح میں نقش چھوڑتی صورت
وہ پیمبر کی ہاشمی صورت

پیکرِ مصطفٰے سے زیبا تر
متصور نہیں کوئی صورت

سر بسر حسن ، سر بسر تنویر
آپ کی سیرت ، آپ کی صورت

ہو کرم تو نکل ہی آتی ہے
حاضری کے شرف کی بھی صورت

جاں کریں اُن کی آبرو پہ نثار
زندہ رہنے کی ہے یہی صورت

جا بسیں اُن کے شہر میں تائبؔ
یہ سکوں کی ہے آخری صورت

حفیظ تائب رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں..... چند باتیں عرضِ خدمت ہیں.....

ایک اور بُت

اِسلام کے مقابلے میں.....شیطان نے بڑے بڑے بُت کھڑے کئے.....بعض ایسے ''بُت'' بھی کہ جنہیں دنیا میں ناقابلِ تسخیر سمجھا گیا.....مگر وہ ''بُت'' گر گئے.....اسلام اَلحمدللہ آج بھی کھڑا ہے اور قیامت تک کھڑا رہے گا..... ''مدینہ مدینہ'' آج بھی کھڑا ہے.....اور قیامت تک کھڑا رہے گا.....کیا آپ کو ''لینن گراڈ'' یاد ہے؟ کیمونسٹوں کے طاقتور ترین رہنما اور بت ''لینن'' کے اِعزاز میں روس

کے شہر ''پیٹروگراڈ'' کا نام ''لینن گراڈ'' رکھا گیا تھا..... ''لینن'' کی جو طاقت اور مقبولیت تھی.....اُس کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یہ شہر اِسی نام سے قیامت تک آباد رہے گا.....مگر یہ سو سال بھی نہ چلا اور 1991ء میں اس کا نام دوبارہ ''سینٹ پیٹرز برگ'' رکھ دیا گیا.....وہاں ''لینن'' کا بہت بڑا مجسمہ اور بُت تھا وہ بھی

گرا دیا گیا..... یہاں ایک دلچسپ بات بھی سن لیں..... یہی جنوری کا ٹھنڈا مہینہ تھا اور اس کی چوبیس تاریخ..... جب ۱۹۲۴ء میں ''لینن'' دِماغ کی رَگ پھٹنے سے مر گیا..... اس وقت اس کا سوویت انقلاب دُنیا بھر میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا..... اور یہ سرخ اِنقلاب مسلسل آگے بڑھ رہا تھا..... اِمکان یہی تھا کہ..... یہ اِنقلاب پوری دنیا پر چھا جائے گا..... چنانچہ ''لینن'' کے مرنے کے بعد اُسے دفن نہیں کیا گیا..... بلکہ یہ اعلان کیا گیا کہ..... یہ ''لاش'' پورے سو سال تک ''ماسکو'' کے ''ریڈ اسکوائر'' میں رکھی رہے گی..... اس کی موت کے صرف پہلے چار دِنوں میں نو لاکھ افراد نے اس کی لاش پر حاضری دی..... سوچا جا رہا تھا کہ..... پورے سو سال تک سوویت اِنقلاب دُنیا میں اپنے جھنڈے گاڑتا چلا جائے گا..... اور جو جو علاقے اس کے زیرِ قبضہ آتے جائیں گے وہاں سے لوگ..... ''لینن'' کے ''بُت'' کو دیکھنے حاضر ہوا کریں گے اور یوں پورے سو سال وہاں میلہ لگا رہے گا..... سو سال بعد جب یہ سرخ اِنقلاب ساری دنیا کو..... اپنے قبضے میں لے چکا ہو گا تو 2024ء میں ''لینن'' کو فاتحِ عالَم کے طور پر بڑے اِعزاز سے دفن کر دیا جائے گا..... آپ اگر ماضی کی تاریخ پڑھیں تو..... واقعی اس زمانے میں ہر کسی کو یہی لگتا تھا کہ یہ سب کچھ ضرور ہو گا..... مگر ''سبحان تیری قدرت'' سوویت اِنقلاب افغانستان میں پھنس گیا..... جہاد اور مجاہدین نے اسکی موٹی گردن سے سریا نکال کر اسے توڑ دیا تو اب..... ''لینن'' بھی اپنے شیشے والے تابوت میں اکیلا پڑا بور ہوتا رہتا ہے..... نہ دنیا بھر میں ''لینن'' کا نام رہا اور نہ اس کے پجاری..... جبکہ حالت یہ تھی کہ..... ہمارے اِسلامی ملکوں کے ''سرخے لیڈر'' ..... لینن کو نعوذ باللہ قرآن اور پیغمبر سے اونچا بنا کر پیش کرتے تھے اور اس کا نام آتے ہی..... ادب سے کھڑے ہو جاتے تھے..... اب ''بے چارہ'' لینن اپنے بکسے میں اکیلا پڑا 2024ء کا اِنتظار کر رہا ہے..... وہ مصنف تھا..... اس کی کتابیں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں شائع ہوتی تھیں..... مگر اب ان کا نام و نشان تک مشکل سے ملتا ہے..... وہ فلسفی تھا مگر اس کا فلسفہ دَم توڑ چکا ہے..... اس کے مجسمے اور بُت گرا دیئے گئے ہیں..... معلوم نہیں 2024ء میں کون اسے دفن کرنے کی تقریب میں جائے گا؟ ہمارے پاکستان میں تو تمام کمیونسٹ اب سرخ کی جگہ نیلے ہو چکے ہیں..... وہ اب سوویت یونین کی جگہ.....

امریکہ کو سجدہ کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں..... جبکہ چالیس سال پہلے یہ..... سوویت یونین اور کمیونزم کی تعریف اور پوجا کرتے نہیں تھکتے تھے..... کمیونزم کے بعد جو بڑا شیطانی بُت..... اسلام کے مقابلے میں کھڑا ہے وہ سرمایہ داری اور جمہوریت کا بُت ہے..... ''جمہوریت'' کا یہ بُت ساری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف..... کمیونزم اور لینن کے بُت کی طرح لڑ رہا ہے..... آج دُنیادار مسلمان اسے ہی نعوذ باللہ اپنی تقدیر سمجھے بیٹھے ہیں..... اور وہ ''جمہوریت، جمہوریت'' کرتے نہیں تھکتے..... ہم ''جمہوریت'' کو کفر نہیں کہتے..... مگر یہ اس زمانے کا اِسلام کے خلاف سب سے بڑا بُت ہے..... ساری دُنیا میں ''جمہوریت'' کے نام سے مسلمانوں کو مارا جا رہا ہے..... لوٹا جا رہا ہے، غلام بنایا جا رہا ہے..... اِسلام کے خلاف پچھلی کئی صدیوں سے کام کرنے والا سب سے خطرناک دشمن..... برطانیہ کا خفیہ اِدارہ ''ایم آئی سکس'' ہے..... یہ آج بھی..... مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہے..... اس ادارے کی داستان اور طریقہ واردات بہت بھیانک ہے..... یہ مسلمانوں کے اندر گھستا ہے اور ان کے دِلوں اور ذہنوں پر وار کرتا ہے..... یہ اپنے ایجنٹوں کو دینِ اسلام کی گہری تعلیم دیتا ہے..... اور مسلمانوں میں مذہب کے نام پر اپنے ایجنٹوں کو پیشوا بنا کر بٹھاتا ہے..... اِسلامی دنیا کے کئی حکمران باقاعدہ اس ادارے کے تربیت یافتہ ہیں.....

یہ منحوس اور ناپاک ادارہ..... نہ برطانیہ کی عالمی حکومت کو بچا سکا..... اور نہ یہ مسلمانوں کا خاتمہ کر سکا..... مگر ''خلافت'' کو ختم کر کے..... جمہوریت کی آگ پھیلانے میں اس ادارے نے اہم کردار ادا کیا..... بات دور نکل رہی ہے..... عرض یہ کرنا تھا کہ آج ساری دنیا کے مسلمانوں کو..... اپنا غلام بنانے کے لئے..... شیطان جس ''بُت'' کی کمر پر کھڑا ہے..... اس کا نام ''جمہوریت'' ہے..... آپ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ..... جمہوریت عوام کو ان کا حق دِلانے والا نظام ہے..... اگر ایسا ہوتا تو پھر کشمیر کے نوّے فی صد مسلمانوں کا حق..... انہیں کیوں نہیں مل رہا؟..... افغانستان کے اَسّی فی صد مسلمان اپنی مرضی کی حکومت کیوں نہیں بنا پا رہے..... الجزائر کے سَتّر فی صد مسلمان اپنے اِقتدار سے کیوں محروم ہیں؟..... جمہوریت دراصل سات سروں اور چہروں والا زہریلا سانپ ہے..... یہ جہاں اسلام کا

فائدہ دیکھتا ہے وہیں اپنا چہرہ بدل کر وار کرتا ہے..... دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب سے زائد ہے..... مگر اقوام متحدہ میں..... ان کی حیثیت نیپال کے برابر بھی نہیں..... جمہوریت جب چاہتی ہے..... انتخابات کراتی ہے..... جب چاہتی ہے بم برساتی ہے..... جب چاہتی ہے فوجیں اُتارتی ہے..... اور جب چاہتی ہے خون بہاتی ہے..... مگر لگتا یہ ہے کہ اب یہ بُت بھی..... منہ کے بل گرنے والا ہے..... یہی جنوری کا ٹھنڈا مہینہ..... اس کی چھ تاریخ اور یہی ۲۰۲۱ء کا سال..... جب جمہوریت نامی بُت کے سب سے بڑے مندر "کیپیٹل ہل" پر..... گورے نازی ٹرمپ کے حامیوں نے حملہ کر دیا..... اس دن ''جمہوریت'' کا بُت حقیقت میں لرز کر رہ گیا..... یہ حملہ اتنا زوردار تھا کہ..... اس نے امریکہ اور جمہوریت دونوں کی جڑوں تک کو ہلا کر رکھ دیا ہے..... یہ حملہ کامیاب نہیں ہو سکا..... مگر کسی بھی نظام ..... یا کسی بھی بُت کے ٹوٹنے کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے..... اور پھر زوال کا لمحہ آ پہنچتا ہے..... معلوم نہیں ہماری آنکھیں..... خلافت کا خوبصورت چہرہ دیکھ سکیں گی یا نہیں..... مگر ہماری اگلی نسل اِن شاء اللہ ضرور دیکھے گی..... کمیونزم کا بُت گر گیا..... اس کی برکت سے چودہ سے زائد اِسلامی ممالک دوبارہ وُجود میں آئے..... اور اب ''جمہوریت'' کا مندر بھی حملے کی زَد میں آ چکا ہے..... جبکہ مسلمان ''الحمد للہ'' تیزی سے ترقی کر رہے ہیں..... خلافتِ عثمانیہ کے خلاف ہونے والا معاہدہ 2023ء میں ختم ہو جائے گا..... اس کے بعد تُرکی بھی ان شاء اللہ اسلامی طاقت پکڑے گا..... افغانستان میں بھی اسلامی حکومت کے قیام کی منزل ان شاء اللہ قریب ہے..... "اِسرائیل" دُنیا بھر میں اپنے سفارتخانے کھول کر..... طرح طرح کے مشکل مسائل میں مبتلا ہو جائے گا..... وہ امریکہ کی گود میں..... بہت اَمن سے بیٹھا تھا..... اب خود اپنی پرواز پر نکلے گا تو اسے..... آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گا..... کشمیر کی تحریک اگرچہ اس وقت مشکل حالات میں ہے..... مگر یہ تحریک ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے فیصلہ کن مرحلے کی طرف زیرِ زمین پیش قدمی کر رہی ہے..... ''میڈیا'' پر جہاد اور مجاہدین کے بارے خبریں نہیں آ رہیں..... تو لوگ سمجھ رہے ہیں کہ سب کچھ ختم ہو چکا..... حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہے..... افریقہ کے دور دراز علاقوں تک..... مجاہدین کی خودمختار حکومتیں کام کر رہی ہیں..... جو مسلمان

جہاد کو دہشت گردی کہہ کر..... پرچے کاٹتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں..... وہ اپنے ان الفاظ کے ذریعے ''قرآن عظیم الشان'' کا اِنکار کرتے ہیں.....تھوڑا سا اندازہ لگائیں.....ایک زمانے میں..... ''لینن'' دنیا کا سب سے مقبول.....سب سے طاقتور.....اور سب سے بااثر فرد سمجھا جاتا تھا.....مگر آج وہ.....شیشے کے تابوت میں اکیلا پڑا ہوا ہے.....جبکہ ایک نظر ''مدینہ مدینہ'' پر بھی ڈالیں.....سبحان اللہ چودہ سو اکتالیس سال سے آباد ہے آج بھی اگر ویزے کھل جائیں.....سفر کی پابندیاں ہٹ جائیں تو روز لاکھوں اَفراد دیوانہ وار ''مدینہ مدینہ'' کی طرف دوڑیں گے.....اور مدینہ مدینہ کی خاک پر.....اپنا خون نچھاور کرنا بھی اپنے لئے سعادت سمجھیں گے..... اس صورتحال میں..... آنکھوں والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں.....

معذرت

شروع میں لکھا تھا کہ آج چند باتیں عرض کرنی ہیں.....ارادہ بھی یہی تھا کہ.....نماز میں توجہ بنانے..... اور مقبول نماز پانے کے بارے میں کچھ اہم باتیں اور ایک نئی کتاب کا تعارف پیش کیا جائے گا.....مگر پہلا موضوع ہی اس قدر پھیل گیا کہ اب.....مزید کا موقع نہ رہا.....قسمت میں ہوا تو اگلی ملاقات میں.....جاندار نماز پر بھی کچھ بات ہوگی ان شاء اللہ

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆.....☆.....☆

حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگوں کا، رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھروں کو مسجد نبوی شریف میں توسیع کیلئے منہدم کرنے پر اظہارِ افسوس اپنی جگہ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا فیصلہ یہی تھا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے اس سرزمین پرنور کے ان میناروں اور خیر و برکت کے سرچشموں کی زیارت نہیں کر سکتے، جنہوں نے کبھی اپنے درمیان رحمتِ

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے دیکھا تھا۔

اس محرومی کی کسی حد تک تلافی اُن حضرات کے ارشادات و بیانات سے ہو سکتی ہے، جنہوں نے ان مکاناتِ نبوی کی تفاصیل ہم تک پہنچائی ہیں اور ہماری سر کی آنکھوں کی اس سعادت سے محروم رہ جانے کے بعد، دل کی آنکھوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ''تصورِ جاناں'' کے ذریعے ہی ان در و دیوار کو دیکھ لیں، جہاں جبرائیل امین علیہ السلام بھی با اَدب قدم رکھتے تھے اور جہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی عرضِ تمنا کیلئے سراپا انتظار بنے بیٹھے تھے۔

اہل محبت کیلئے یہ سوغات بھی متاعِ عزیز ہے کہ ان کی آرزوئیں اور ان کے مان یہی ہوتے ہیں:

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے
پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے
غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کے سامنے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بیان پیش کرتے ہیں، کیونکہ اس میں شانِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھروں کی فنائیت کا بھی واضح کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کی افادیت پر بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سیرت طیبہ پر اپنی شہرہ آفاق کتاب "زادالمعاد" میں "فصل فی تدبیرہ لامر المسکن" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"لما علم انه على ظهر سير وأن الدنيا مرحلة مسافر ينزل فيها مدة عمره ثم ينتقل عنها الى الآخرة لم يكن من هدية وهدى أصحابه و من تبعه الاعتناء بالمساكن و تشييدها و تعليتها زخرفتها و توسيعها بل كانت من احسن منازل المسافر تقى الحر والبرد وتستر عن العيون وتمنع من ولوج الدواب ولا يخاف سقوطها لفرط ثقلها ولا تعشش فيها الهوام لسعتها ولا تعتور عليها الأهوية والرياح المؤذية لارتفاعها وليست تحت الأرض فتؤذى ساكنها ولا فى غاية الارتفاع عليها بل وسط وتلك اعدل المساكن وأنفعها وأقلها حرا

وبردا ولا تضيق عن ساكنها فينحصر ولا تفضل عنه بغير منفعة ولا فائدة فتأوى الهوام فى خلوها ولم يكن فيها كنف تؤذى ساكنها برائحتها بل رائحتها من أطيب الروائح لأنه كان يحب الطيب ولا يزال عنده وريحة هو من اطيب الرائحة وعرقه من اطيب الطيب ولم يكن فى الدار كنيف تظهر رائحته ولا ريب ان هذه من اعدل المساكن وانفعها واوقفها للبدن وحفظ صحته۔

''جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اب چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے، یہ دنیا مسافر کی ایک منزل ہے، جس میں وہ عمر دنیا تک ٹھہرتا ہے پھر آخرت کے سفر پر چل پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی سنت طیبہ یہ نہ تھی کہ اعلیٰ اور مضبوط مکانات ہوں کہ جن میں پردے لٹکائے جائیں اور پچی کاری کی جائے۔ فراخ فراخ حویلیاں تعمیر کی جائیں۔ بلکہ ایک مسافر کی سب سے بہتر منزل یہی ہوسکتی ہے کہ سردی سے گرمی سے تحفظ ہو جائے۔ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور چوپاؤں کے داخل ہونے میں رکاوٹ بن جائے اور بوجھ کی زیادتی کے باعث گر جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نہ فراخی کے باعث کیڑے مکوڑے اس میں گھونسلے بنانا شروع کر دیں اور نہ بلندی کے باعث آندھیاں اور تکلیف دہ ہوائیں اس میں ہنگامہ برپا کر دیں۔ اور نہ زیر زمین ہو کہ رہنے والے کو تکلیف ہو اور نہ بہت زیادہ اونچا ہو۔ بلکہ متوسط ہو۔

رہائش کے معاملہ میں یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل نافع اور سردی و گرمی سے تحفظ کرنے والا ہے۔ اس طرح یہ مکان نہ رہنے والے کو تنگ کرتا ہے کہ وہ مقید ہو جائے اور نہ بغیر کسی فائدہ و منفعت کے وسیع ہوتا کہ خالی حصہ میں کیڑے مکوڑے بھاگتے پھریں اور نہ اس میں کوئی گودام ہوتا کہ جس کی بدبو سے رہائش رکھنے والا تکلیف اٹھائے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبوئیں تو خوب عمدہ اور (فرحت بخش) تھیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند فرماتے تھے اور ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بہترین خوشبو آتی رہتی۔ اور آپ کا پسینہ بھی خوشبودار ہوتا۔ اور گھر میں کوئی ایسا ذخیرہ نہ ہوتا جو بدبودار ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رہائش کے لیے یہ طریقہ سب سے زیادہ معتدل اور نافع ہے

اور بدن وحفظانِ صحت کے لیے انتہائی موافق اور موزوں ہے''۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفصیل کو خوبصورت لیکن انتہائی مختصر انداز سے یوں بیان فرمایا ہے:

وبنی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حول مسجدہٖ حجر لتکون مساکن لہ ولأھلہ، و کانت مساکن قصیرۃ البناء، قریبۃ الفناء'' (البدایۃ والنہایۃ ۳/ ۳۶۷)

''مسجد (نبوی شریف) کے اردگرد حجرے تعمیر کر دیئے گئے تاکہ وہ آپ ﷺ اور آپ کے گھر والوں کیلئے رہائش گاہوں کے طور پر استعمال ہوں' یہ گھر مختصر تعمیرات پر مشتمل' جلد فناء ہونے والے تھے''۔

مشہور سیرت نگار ابن سعد نے اپنی مکمل سند کے واسطے سے' عبداللہ بن یزید سے نقل فرمایا ہے:

''رأیت منازل ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... کانت بیوتا من اللبن... ولھا حجر مطرودیا لطین... عددت تسعۃ ابیات بحجرھا'' (الطبقات الکبریٰ ۸/ ۱۳۳)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھر خود دیکھے تھے..... یہ کچی اینٹوں کے بنے ہوئے کمرے تھے.....ان کے اردگرد حجرے تھے' جنہیں مٹی سے لیپ دیا گیا تھا.....میں نے نو گھر' اُن کے حجروں سمیت خود شمار کیے تھے''۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

"اسلام علیکم" غلط ہے۔ "اسلام وعلیکم" بہت غلط ہے اور "الحمد اللہ"، بہت ہی غلط ہے۔ دن رات فون پر آنے والے میسجز میں یہ جملے دیکھ دیکھ کر دماغ پک اور آنکھیں تھک گئی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نیک بندو! یہ کلمات دعائیں ہیں، ہماری عبادت کا عظیم حصہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے ہوئے قابلِ قدر تحفے ہیں، ان کے ساتھ ہماری دنیا و آخرت کی اَن گنت خیریں وابستہ ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل یہ ہے کہ ہم زبان و قلم سے ان کی درست ادائیگی تک نہیں کرتے۔

"بے شک انسان اپنے رب کا بہت ناقدر شناس ہے"

''سلام'' کتنا بڑا اور کتنا اونچا عمل ہے۔ اللہ اکبر! احادیثِ مبارکہ میں فضائل پڑھیں تو دِل چاہتا ہے کہ ہر وقت یہ جملہ نوک زبان پر رہے۔ ''السلام'' اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے دو مسلمانوں کی ملاقات کو عبادت کا رنگ دینے کے لئے بطورِ "تحیۃ" اپنا مبارک نام عطا فرمایا کہ ضرورت کا یہ عمل بھی عبادت کے معنی سے خالی نہ رہ جائے

اور ''ذکر اللہ'' کے نور سے محروم نہ رہے۔ پھر ''سلام'' کو اللہ تعالیٰ نے اپنا عمل بتایا:

"پروردگار نہایت رحم والے کی طرف سے انہیں سلام فرمایا جائے گا" (یس:58)

یعنی حق تعالیٰ خود فرماویں گے السلام علیکم یا اہل الجنۃ (بیان القرآن)

دار قطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے اسی اثناء میں ایک نور اُن پر جلوہ انداز ہوگا، اہل جنت سر اُٹھا کر

دیکھیں گے تو ادھر سے باری تعالیٰ جلوہ ڈالتا نظر آئے گا اور فرمائے گا اے اہل جنت! تم پر سلام ہو۔ (معارف القرآن)

''سلام'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اپنانے کا حکم دیا گیا۔

"اور ہماری آیتوں کو ماننے والے جب تیرے پاس آئیں تو کہہ دو کہ تم پر سلامتی ہو" (الانعام ۵۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنایا اور اس طرح اپنایا کہ کوئی بھی آپ سے اس عمل میں سبقت نہ کر سکتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ اور اوصاف جمیلہ سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو تفصیلی روایت شمائل میں نقل ہوئی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں:

یبدأ من لقی بالسلام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ملنے والے سے سلام میں پہل فرماتے تھے

اور ''سلام'' کے عمل کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں محبوبیت کا اندازہ ان روایات کی کثرت سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل سے متعلق ارشاد فرمائیں۔

''سلام'' فرشتوں کا عمل ہے اور فرشتے قرآن مجید کی رو سے اس کلمے ''السلام علیکم'' کے ذریعے اہل جنت کو خوش آمدید کہیں گے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے؛ جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا؛ جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کر لو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہو جائے گی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو سلام کرو۔ (مسلم کتاب الایمان ۱ / ۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! خداوند رحمن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ (محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطور ہدیہ، اخلاص اور محبت کے کھانا کھلایا جائے، جو لوگوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے) اور سلام کو پھیلاؤ تو تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے (ترمذی، باب الاستیذان)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کیا کرو، یہ سلام تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا سبب ہوگا۔ (ترمذی ۲/۹۹)

غرضیکہ ''السلام علیکم'' کا کلمہ ہر زبان میں ''تحیۃ'' کے لئے ادا کئے جانے والے رسمی جملوں کی طرح ایک جملہ نہیں بلکہ یہ اسلام کا "شعار" ہے اور ''ذکر اللہ'' کی ایک نوع ہے، اس حیثیت کے پیش نظر جس طرح اسے اپنانے اور عادت بنانے کی ضرورت ہے، اسی طرح اس کی درست ادائیگی کا اہتمام بھی لازم ہے، ورنہ یہ جملہ نہ تو دعاء بنے گا اور نہ ذکر، نہ اس سے عبادت ادا ہوگی اور نہ ہی کارِ ثواب بنے گا جبکہ غلط ادائیگی کی صورت میں مسلمان کی "شعائر اللہ" سے غفلت اور "ذکر اللہ" سے پہلوتہی کا اظہار ہوگا جس کا نامناسب ہونا بالکل واضح ہے۔

اسی طرح ''الحمدللہ'' کا معاملہ ہے۔ ہم شکرِ نعمت کے اِظہار کے طور پر دن میں کئی بار یہ جملہ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں اور میسجز پر لکھتے ہیں، یہ کوئی معمولی یا رسمی کلمہ نہیں۔ حدیثِ مبارک کی رو سے سب سے افضل اور اعلیٰ دعاء ہے۔ دعاء خود ایک عظیم الشان اور اہم عبادت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عبادت کے اگر سو حصے کئے جائیں تو ان کا نصف صرف دعاء ہے اور بقیہ تمام عبادات دوسرا نصف۔ اس لئے کہ عبادت جس عبدیت اور عاجزی کے اظہار کا نام ہے اس کا سب سے بڑا مظہر مانگنا ہے اور اس مانگنے کو دعاء کہتے ہیں۔ اب جس کلمے کو اس افضل ترین عبادت کے سب سے افضل فرد ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس کے ساتھ بھی مسلمانوں کا طرزِ عمل سلام سے مختلف نہیں۔

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جب سلام لکھا جائے تو پہلا لفظ الف لکھا جائے گا اس کے بعد لام پھر س پھر لام پھر الف اور آخر میں میم۔ اس کے بعد درمیان میں واو نہیں لگایا جائے گا بلکہ آگے علیکم لکھا جائے گا۔ پہلے الف کے بعد لام لگائے بغیر "اسلام" لکھنا غلط ہے اسی طرح السلام اور علیکم کے درمیان واؤ لگانا بھی خطا ہے۔

اسی طرح جب زبان سے سلام کریں تو سلام علیکم کہنے کی بجائے مکمل "السلام علیکم" کہا کریں اور بچوں کو بھی اس کی درست تعلیم دیں، تھوڑی سی توجہ کر کے مشینی انداز میں آڑھے ترچھے سلام کرنے کی بجائے اگر درست لفظ اداء کر لیں گے تو ان گنت فوائد پا لیں گے۔ اللہ و رسول کے ہاں محبوب عمل ادا کرنے کا ثواب کما لیں اور ان تمام فضائل کو حاصل کر لیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ سنتُ اللہ ادا ہوگی۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل ہوگا اور ملائکہ کا اِتباع نصیب ہوگا۔ ایک تھوڑی سی غفلت کن کن بلندیوں سے محرومی کا سبب بن رہی ہے ذرا سوچئے تو سہی!

اسی طرح الحمدللہ لکھیں تو الحمد اور للہ کے درمیان الف نہ لگائیں۔ ایسے ہی وہ تمام عربی کلمات جو ہم روزہ مرہ استعمال کرتے ہیں ان کا درست تلفظ بھی سیکھیں اور درست اِملاء بھی، کیونکہ یہ جملے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ میسجز میں انا للہ وانا الیہ راجعون بھی اکثر غلط لکھا ہوا پڑھنے کو ملتا ہے حالانکہ یہ جملہ قرآن مجید کا حصہ ہے، اسی طرح لاحول ولاقوۃ الا باللہ، استغفر اللہ وغیرہ۔ اگر کوئی شخص باوجود کوشش کے ان کو درست نہیں لکھ سکتا یا اسے ان کا درست اِملاء سمجھ نہیں آتا تو وہ یہ کلمات لکھنے کی بجائے اردو میں اپنے جذبات کا اظہار کر لیا کرے لیکن انہیں غلط لکھنے اور بولنے کی حرکت بہرحال قابلِ اصلاح اور قابل توجہ ہے۔

☆.....☆.....☆

ارشاد فرما دیا گیا تھا کہ:

"(اللہ ہی نے) اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے دیگر تمام اَدیان پر غالب کر دے"

جب خالقِ کائنات کی طرف سے اعلان ہو چکا تو اس کے لیے اسباب اور ماحول بھی وہی خود ہی فراہم کرتا ہے، کیوں کہ اس کا بندوں سے پہلا تعارف ہی یہ کرایا گیا ہے کہ وہ "رب العالمین" ہے، وہ پرورش کرنے والا ہے، وہ ہر چیز کو اس کے اُس کی "منزل" تک پہنچانے والا ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں تو تھے وہاں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور زیادہ تر گھرانے اور وہاں کے سردار لوگ اس دینِ محمدی کو قبول نہیں کر رہے تھے، اور اگر صرف قبول نہ کرتے تو بھی کوئی حد تھی مگر وہ تو اس دینِ محمدی کا راستہ روکنے، اور اسے مٹانے کے لیے ہر حربہ اور ہر ظلم اختیار کر رہے تھے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک وجود تک کے دشمن ہو گئے تھے۔

جو صورتِ حال ظاہر تھی اس کے مطابق مکہ مکرمہ کے مشرک سردار بہت ہی پُر امید تھے اور انہیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ بہت جلد وہ اس دین سے اور اس دین کے لانے والے سے چھٹکارا پا لیں گے اور مکہ مکرمہ پر اُن کی سرداری اور وہاں شرک کی طاقت بحال رہے گی، یہی وجہ ہے کہ ایک بد بخت نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے نہ ہونے کی وجہ سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ (معاذ اللہ) ان کی نسل و نسب جاری نہیں رہے گا، مگر وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ جس "یتیم" کو اس کا رب طرح طرح کے وہ کمالات اور

خوبیاں دے رہا ہے جسے دیکھ کر سب ہی واہ واہ کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے تو وہ رب اپنے اس محبوب کو اور اپنے دین کو کیوں کر بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟ الغرض کہ قریش کی شدید قسم کی جہالت، ہٹ دھرمی اور عداوت دیکھنے کے بعد نبی کریم ﷺ منتظر تھے کہ رب کریم اس دین کی مدد کے لیے کیا اسباب پیدا فرماتا ہے؟

ان حالات میں مدینہ منورہ کے خوش نصیب حضور اکرم ﷺ کے قریب آنے لگے، کیونکہ یہ طے ہو چکا تھا کہ "نصرت کا مرکز" مدینہ منورہ ہوگا۔

چنانچہ ایک سال حج کے زمانے میں مدینہ منورہ سے وہاں کے دو مشہور قبائل اوس اور خزرج کے لوگ آئے ہوئے تھے، اور یہی وہ موقع بھی تھا کہ نبی کریم ﷺ عرب کے مختلف قبائل سے آئے ہوئے وُفود کے سامنے اپنے دین حق کی دعوت پیش فرما رہے تھے۔ اسی سلسلے میں جب ان دو قبائل کے لوگوں کے پاس سے نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تم لوگ مدینہ سے آئے ہو؟

ان لوگوں نے جواب دیا: ہاں

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ہو سکے تو تم لوگ بیٹھ جاؤ اور میری بات سن لو!

یہ سن کر وہ سب نبی کریم ﷺ کی بات سننے کے لیے بیٹھ گئے۔

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اللہ رب العالمین نے مجھے مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی وحی بھی نازل فرمائی ہے۔ میری قوم اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو پہنچانے میں رکاوٹ ڈالتی ہے، اگر تم لوگ ایمان لے آؤ، اور اس دینِ اسلام کی تائید کرو تو تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کی سعادت حاصل ہوگی۔

ان لوگوں نے یہ بات سنی تو آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ مدینہ کے رہنے والے یہود سے پہلے ہی نبی کریم ﷺ کے بارے میں کچھ اجمالی باتیں سن چکے تھے اس لیے اب آپس میں کہنے لگے: یہ وہی آخری نبی ہیں جن سے یہودی ہمیں ڈراتے ہیں اور کہتے

ہیں کہ آج کل میں کسی بھی وقت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا سورج طلوع ہو جائے گا اور پھر ہم اُن کے ساتھ مل کر تم کو اس طرح قتل کریں گے جس طرح عادِ ارم کو قتل کیا گیا تھا۔ اوس اور خزرج والوں نے یہ بات یاد کر کے فیصلہ کیا کہ ان یہود سے پہلے ہم خود ہی اس نبی پر ایمان لے آتے ہیں تا کہ ہمیں دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل ہو جائے۔

چنانچہ اسی وقت اوس اور خزرج کے ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا اور اس دینِ اسلام کی مدد و حمایت کا عہد و پیمان دے کر اپنے شہر مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ تاریخ میں اس واقعے کو "بیعتِ عقبہ اولیٰ" کہا جاتا ہے۔

جب یہ لوگ واپس مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں انہوں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارے میں بتایا تو انصار کے سب گھروں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور شاید ہی کوئی گھر اور کوئی مجلس ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک تذکرے سے منور اور معطر نہ ہوئی ہو۔

اس کے ایک سال بعد پھر یہ درج بالا لوگ بھی اور دیگر بھی کچھ لوگ دوبارہ حج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اَقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی اور ساتھ ہی ان کی درخواست پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات سکھانے اور نماز باجماعت قائم کرنے کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

اس طرح دین اسلام نہ صرف یہ کہ مدینہ منورہ پہنچا بلکہ گویا اپنے گھر پہنچ گیا، انصار نے بھی اس دین کو اپنے گھر میں ایسے ٹھہرایا کہ جیسے حقیقتاً وہ گھر اصل میں بھی "ایمان اور دینِ اسلام" کا ہی ہے۔

اس کے بعد جب "بیعتِ کبریٰ" ہوئی، یعنی تقریباً تہتر لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیعت کے لیے رات کے ایک وقت میں تنہا اور کسی قدر خفیہ مقام پر جمع ہوئے اور ان حضراتِ انصار نے بیعت اور عہد نبھانے کا پختہ عزم ظاہر فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے جو عہد لیا وہ کچھ یوں تھا:

اللہ تعالیٰ کا عہد یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور میرا عہد یہ ہے

کہ رسالت کی تبلیغ میں میری مدد اور اعانت کرتے رہو اور جو کوئی اس کام میں رکاوٹ ڈالے اور لڑائی کے لیے آمادہ ہو تو تم میرے ساتھ رہو اور مقابلے سے پیچھے نہ ہٹو۔

یہ سن کر وہ انصار کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ لڑائی اور جنگ تو ہمارے باپ دادا سے چلا آنے والا کام ہے اور ہمارے اور یہود کے درمیان عہد وحلف کا ایک معاملہ ہے لیکن اب اس سے بھی ہم قطع نظر کرتے ہیں، اب بس آپ یہ واضح فرما دیجیے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ بعد میں آپ اپنے وطن مکہ واپس چلے آئیں اور ہمیں تنہا چھوڑ دیں!

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ایسا نہیں ہوگا۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جان جان کے ساتھ اور تن تن کے ساتھ۔ میری زندگی تمہارے ساتھ گزرے گی اور میری موت بھی تمہارے ساتھ ہی ہوگی۔

یہ سن کر وہ انصار کہنے لگے: یارسول اللہ! اگر ہم آپ کی محبت میں مار ڈالے جائیں اور ہماری جان و مال آپ پر قربان ہوں تو اس پر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ جنتیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ سن کر وہ انصار کہنے لگے: یہ بہت ہی نفع مند سودا ہے۔ پس اب آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کرلیں۔

اس طرح حضراتِ انصار کی طرف سے بیعت کا عہد مستحکم ہوگیا اور اس کے کچھ عرصہ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ ہجرت کا حکم ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور ایسی ہجرت فرمائی کہ اپنی بات کو اپنے عمل سے قیامت تک کی سچائی فراہم کردی کہ میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہوگا اور میرا مرنا بھی تمہارے ساتھ ہوگا اور اسی لیے آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مطہرہ اسی شہر میں موجود ہے اور وہیں سے ہدایت کی پُرنور کرنیں پورے عالم کو روشن کر رہی ہیں۔

قرآن کریم میں بتادیا گیا ہے کہ:

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا" (سورۃ محمد)

یہ وعدہ قیامت تک کے لیے ہے اور ہر مسلمان اس وعدے کا مخاطب ہے۔

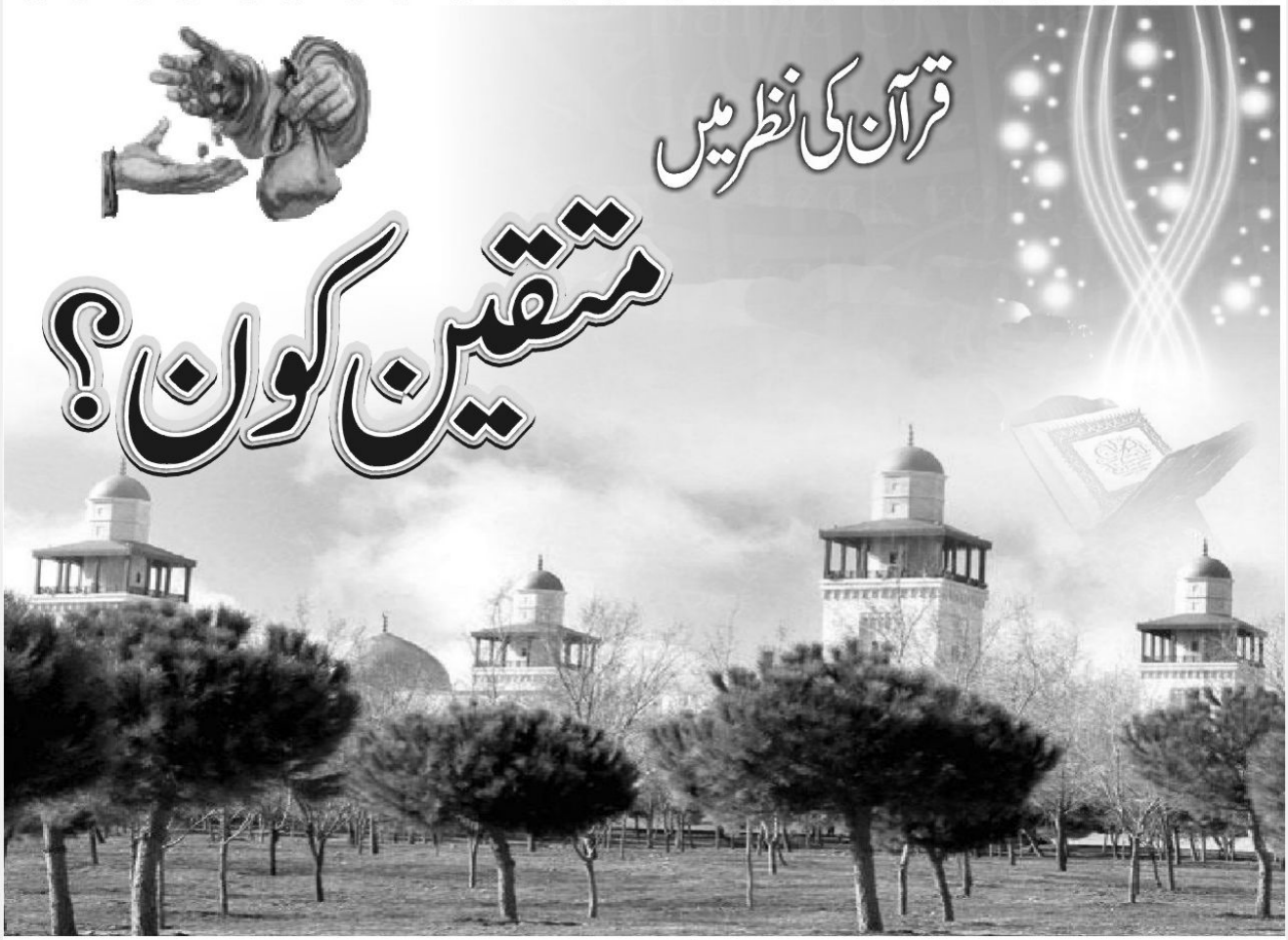

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی متقین کا ذکر کیا ہے وہاں انفاق فی سبیل اللہ کو متقین کے لیے بطور صفت کے ضرور ذکر کیا ہے، گویا کہ کامل متقی ہے ہی وہی جو صفتِ انفاق کے ساتھ متصف ہو۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں (متقین) کے لئے، جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں'' (البقرہ ۳، آسان ترجمۃ القرآن)

قرآن کریم نے متقین کے تعارف کے لئے ان کی تین صفات ذکر کی ہیں گویا جو آدمی ان تین صفات سے آراستہ ہو، اسے متقی کہا جاسکتا ہے۔

۱) ایمان بالغیب (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) انفاق فی سبیل اللہ

پہلے دو صفتیں تو واضح ہیں کہ ان کے بغیر تو بندہ مسلمان ہی نہیں رہتا چہ جائے کہ متقی جیسا خاص مقام اسے عطا ہو جائے۔ تیسری صفت انفاق میں پھر عام ہے کہ صدقہ ہو، زکوٰۃ ہو یا کہ کوئی سا بھی مالی خرچ ہو بشرطیکہ رضاءِ الٰہی مطلوب ہو، وگرنہ ریاءکاری کی صورت میں الٹا وبالِ جان بن جائے گا۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''(وہ جنت) تیار کی گئی ہے ان پرہیزگاروں (متقین) کے لئے جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں'' ((ال عمران ۱۳۴، آسان ترجمۃ القرآن)

ایک اور مقام پر فرمایا:

''جو لوگ اپنے مال دن رات خاموشی سے بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں اپنے پروردگار کے ہاں اپنا انعام پائیں گے'' ((البقرہ: ۲۷۴، آسان ترجمۃ القرآن)

مطلب یہ کہ متقی ہر وہ آدمی ہے جو انفاق فی سبیل اللہ والی رسی کو تھامے ہوئے ہو، وہ انفاق دن میں ہو یا رات میں، اعلانیہ ہو یا کہ خاموشی سے اور حالت فقر میں ہو یا کہ حالتِ آسودگی میں، ہر حال میں وہ خرچ کرتا ہو۔

خرچ کرنے والوں کو قرآن کریم بہت عمدہ تشبیہات کے ساتھ متعارف کرواتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں'' (سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۱، آسان ترجمۃ القرآن)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس سے بھی بڑھا سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا ذکر قرآن نے بار بار کیا ہے، اور اس سے مراد ہر وہ خرچ ہے جس میں رضاء الٰہی مقصود ہو، اس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات سب شامل ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۵ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے:

''اور جو لوگ اپنے مال کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اور اپنے آپ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسے باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیلے پر واقع ہو، اس پر زور کی بارش برسے تو وہ دگنا پھل لے کر آئے اور اگر زور کی بارش نہ بھی برسے تو اس پر ہلکی پھوار ہی کافی ہے''

(آسان ترجمۃ القرآن)

اب خرچ تو کر دیں لیکن یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کا کوئی بدل بھی ملتا ہے یا کہ نہیں.....؟ اس کا بدل بھی ملتا ہے اور وہ بہت عمدہ بدل ہے، جسے قرآن کریم اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کرتا ہے:

''اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی'' (الانفال: ۶۰)

یعنی تم کوئی کثیر مال یا قلیل مال جیسا بھی خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں ضرور بالضرور مل کر رہے گا، کسی بھی خرچ کو چاہے وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

اور ہاں ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ بدلہ تو ملے گا ہی لیکن خرچ کرنے سے مال کم بھی نہیں ہوگا جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی ہے:

''کسی صدقے نے کسی مال کو کم نہیں کیا اور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بندے کی عزت کو زیادہ ہی کیا ہے، اور تواضع اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بندے کو بلندی شان ہی دی ہے'' (کنز العمال ۱۶۱۳۰ بحوالہ طبرانی عن ابن عباس، شعب الایمان، البیہقی، صحیح مسلم ۴۶۸۹، مؤطا امام مالک ۱۵۹۰)

مطلب یہ کہ خرچ کرتے ہوئے انسان سوچے کہ اس سے تو مال کم ہو جائے گا لیکن حدیث مبارکہ ایسی سوچ کو غلط قرار دیتی ہے اور واضح پیغام دیتی ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال کبھی ختم تو درکنار کم بھی نہیں ہوتا۔

اب سوچنا یہ ہے کہ خرچ جو کرنا ہے تو کونسا ایسا مصرف ہے جس میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہو۔ تو سب سے زیادہ مہتم بالشان مصرف وہ مصرف ہے ''جہاد فی سبیل اللہ'' ویسے تو اور بھی بہت سے مصرف ہیں لیکن سب سے افضل اور اولین مصرف راہِ جہاد ہے۔

جہاد افضل اور اولین مصرف کیسے ہے؟ وہ اس طرح کہ صرف ایک یہی مصرف ہے جس کے لئے حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمومی چندہ کیا اور اس کی باقاعدہ آپ علیہ السلام صحابہ کرام کو ترغیب

دیتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی کسی خیر کے مصرف کے لیے حضور اکرم ﷺ نے عمومی ترغیبات تو دی ہیں لیکن اجتماعی طور پر اعلانیہ اور باقاعدہ عمومی چندہ جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی مصرف کے لیے نہیں فرمایا۔

عہد اول میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام کے اندر اس جذبے کو خوب اُبھارا، چنانچہ سیرت کا مطالعہ کریں تو جگہ جگہ اس کی نمایاں مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول ﷺ نے لوگوں کو انفاق کا حکم دیا۔ میرے پاس اس وقت کافی مال موجود تھا، میں نے دل میں سوچا کہ آج تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بازی لے ہی جاؤں گا۔ چنانچہ اسی غرض سے اپنے مال کا آدھا حصہ لاکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے میں نے جواب دیا کہ اسی کے مثل ان کے لیے بھی ہے۔ اسی اثنا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے تمام مال کے ساتھ تشریف لے آئے آپ ﷺ نے یہی سوال ان سے بھی دہرایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ اب میں کبھی ابوبکر سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

غزوہ تبوک ہی کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ انفاق کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں سو اونٹ فراہم کروں گا۔

آپ ﷺ نے دوبارہ ترغیب دی تو پھر حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! میں دو سو اونٹ فی سبیل اللہ دوں گا۔

پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے ترغیب دی تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بولے: اے اللہ کے رسول میں تین سو اونٹ راہ خدا میں دوں گا۔

راوی حدیث حضرت عبد الرحمان کہتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ منبر سے اترتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اس کے بعد عثمان کچھ بھی کریں کوئی فرق نہیں پڑے

گا (یعنی اب اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس عظیم خدمت کے عوض ان کو معاف کر دے گا) (ترمذی)

سورہ الحدید کی گیارہویں آیت "من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفه له" جب نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح انصاری نے دریافت فرمایا:

اے رسول اللہ! کیا اللہ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ہاں ابوالدحداح۔ انہوں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ مجھے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا: "میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ "اس باغ میں چھ سو درخت تھے اور اسی باغ میں ان کے بیوی بچے رہتے تھے اور ان کا گھر بھی اسی میں تھا۔ آپ علیہ وسلم کے پاس سے جب وہ لوٹے تو باغ کے باہر ہی سے آواز دی، اے دحداح کی ماں! باغ سے باہر نکل آؤ، میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔ وہ بولیں، دحداح کے باپ! تم نے نفع کا سودا کیا۔ پھر اسی وقت اس باغ کو چھوڑ دیا۔" (مشکوٰۃ)

مذکورہ بالا واقعات ہماری تاریخ کے سنہری اوراق پر نقش ہیں۔ ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت اہل ایمان میں انفاق فی سبیل اللہ کی کیا اہمیت تھی۔ ان کا ایمان اس قدر پختہ تھا کہ کوئی بھی حکم نازل ہوتا، اس کا عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے تیار رہتے اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، کیا آج امت مسلمہ کے افراد اس کردار کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں.....؟

اللہ عزاسمہ کی بارگاہ عالی میں التجاء ہے اللہ رب العزت ہمیں مال، جان، وقت ہر طرح کی قربانی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہمہ وقت پیش کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆.....☆.....☆

اتفاق واتحاد ایسی چیز ہے جس کے محمود اور مطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسانوں کا اتفاق ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر جماعت، ہر پارٹی لوگوں کو متفق کرنے کی ہی دعوت دیتی ہے لیکن دنیا کے حالات کا تجربہ بتاتا ہے کہ اتفاق کے مفید وضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود بھی انسانیت فرقوں، گروہوں، پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ہر فرقہ کے اندر فرقے اور پارٹی کے اندر پارٹیوں کا لامحدود سلسلہ ایسا ہے کہ صحیح معنوں میں دو آدمیوں کا اتحاد واتفاق بھی ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔

وقتی اَغراض کے تحت چند آدمی کسی بات پر اتفاق کرتے ہیں، اغراض پوری ہو جائیں یا ان میں ناکامی ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اتفاق ختم ہو جاتا ہے بلکہ افتراق اور عداوتوں کی نوبت آتی ہے۔

غور کیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسروں کے بنائے ہوئے نظام و پروگرام پر اُن سے متفق ہونے کی بجائے لوگوں کو اپنے بنائے ہوئے پروگرام پر متحد کرنے کی دعوت دیتا ہے اس کا لازمی نتیجہ افتراق وانتشار نکلتا ہے۔ اور اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہاتھ اس کے سوا کچھ نہیں آتا کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لئے قرآن کریم نے تنازعات واختلافات سے بچنے اور اتحاد واتفاق اختیار کرنے کی صرف تلقین ہی نہیں فرمائی بلکہ اس کے لئے ایک ایسا منصفانہ وعادلانہ اصول بھی بتلادیا جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ کسی انسانی دماغ یا چند انسانوں کے بنائے ہوئے نظام و پروگرام کو دوسرے انسانوں پر تھوپ کر ان سے یہ امید رکھنا کہ وہ سب اس پر متفق ہوجائیں گے عقل و انصاف کے خلاف اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں البتہ ربّ العالمین کا دیا ہوا نظام اور پروگرام ضرور ایسی چیز ہے کہ اس پر سب انسانوں کو متفق ہونا ہی چاہئے، کوئی عقلمند انسان اس سے اصولاً انکار نہیں کرسکتا۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کا آخری پیام قرآنِ پاک کی صورت میں لائے ہیں آج اس کے سوا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، آج یہی ایک ایسا نظام ہے جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے قیامت تک اس میں کسی قسم کی تحریف کا بھی امکان نہیں۔ غیر مسلم جماعتوں کو چھوڑ کر اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآن کریم کے نظام پر متفق ہوجائیں تو ہزاروں گروہی اور نسلی وطنی اختلافات ختم ہوسکتے ہیں جو انسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔

اب اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی باہمی تنازعہ یا اختلاف رہے گا تو وہ صرف فہم قرآن اور تعبیرِ قرآن میں رہ سکتا ہے اور اگر ایسا اختلاف حدود کے اندر رہے تو نہ تو وہ مذموم ہے اور نہ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے مضر اور منفی پہلو رکھتا ہے بلکہ عقل والوں کے درمیان ایسا اختلافِ رائے رہنا فطری امر ہے، اس لئے اس پر قابو پانا اور حدود کے اندر رکھنا کچھ دشوار نہیں، اس کے برعکس قرآنی نظام سے آزاد ہوکر افراد اور جماعتیں لڑتے رہیں تو اس وقت تنازعات واختلافات کا کوئی علاج نہیں رہتا، اور اسی نزاع اور اختلاف وانتشار کو قرآنِ کریم نے سختی سے منع فرمایا ہے اور آج اسی قرآنی اصول کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہماری پوری ملّت انتشار وافتراق میں پھنس کر برباد ہورہی ہے۔ قرآن کریم نے اس افتراق کو مٹانے کا نسخۂ اکسیر اس طرح بتلایا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ ''یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھامو''۔ اللہ کی رسی سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ قرآن یا دین کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ یعنی ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظامِ حیات یعنی قرآن پر مضبوطی سے عمل کرے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان باہم متفق و متحد اور منظم ہو جائیں گے۔ جس طرح کسی بلندی پر چڑھتے وقت ایک مضبوط رسی کو پکڑ لیں تو ہلاکت سے محفوظ رہیں گے اسی طرح اگر سب مل کر اللہ کی رسی یعنی قرآن کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے تو کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلمانوں کی اجتماعی قوت بھی ناقابلِ تسخیر ہو جائے گی۔ اور اس سے ہٹ کر قومی و اجتماعی زندگی تو تباہ ہو ہی جائیگی اور اس کے بعد انفرادی زندگی کی بھی خیر نہیں جس کا عملی نمونہ آج ہمیں ہر طرف نظر آ رہا ہے۔

یہاں یہ بات جاننا بھی لازمی ہے کہ وحدت و اتفاق کے لئے ضروری ہے کہ اس وحدت کا کوئی خاص مرکز ہو۔ لیکن اقوام عالم کی مرکز وحدت کے اعتبار سے راہیں مختلف ہیں، کہیں نسلی اور نسبی رشتوں کو مرکزِ وحدت سمجھا گیا، کہیں رنگ کا امتیاز، کہیں وطن و زبان اور کہیں آبائی رسوم و رواج کو مرکز وحدت بنایا گیا۔ قرآن کریم نے ان سب کو چھوڑ کر مرکز وحدت اللہ کی رسی قرآن کریم کو یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام کو قرار دیا اور دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ مومن ایک قوم ہے جو اللہ کی رسی سے وابستہ ہے۔ کوئی مشرق کا رہنے والا ہو کا مغرب کا، گورا ہو یا کالا، عربی زبان بولتا ہو یا ہندی و انگریزی، کسی قبیلہ کسی خاندان کا ہو ہر شخص اس صحیح اور معقول مرکزِ وحدت کو اختیار کر سکتا ہے اور دنیا بھر کے پورے انسان اس مرکزِ وحدت پر جمع ہو کر بھائی بھائی بن سکتے ہیں۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے باہمی تنازعات و اختلافات کو مسلمانوں کی اجتماعی و انفرادی قوت کے لئے مضر قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَلَا تَنَازَعُوْا یعنی آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو

ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائیگی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ ان باہمی تنازعات واختلافات کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے، دوسرے یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ باہمی نزاع اور کشاکش سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو ایک واضح بات ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اُس میں کمزوری اور بزدلی آجاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوتی ہے اس لئے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اتحاد واعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی۔

اس کے بعد قرآن کریم نے ان تنازعات اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بھی بتلا دیا کہ وَاصْبِرُوْا یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ کوئی جماعت خیالات اور مقصد کے اعتبار سے کتنی ہی متحد کیوں نہ ہو لیکن طبعی طور پر انسانوں کی خصوصیات مختلف ہوتی ہیں اس لئے اختلافِ رائے بھی ضرور ہوتا ہے اس لئے دوسروں کے ساتھ چلنے اور اُن کو ساتھ رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی طبعیت کے خلاف باتوں پر صبر کرے اور انہیں نظر انداز کرے اور اپنی رائے پر اتنا نہ جمے نہ اتنا اصرار کرے کہ اُس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑنے لگ جائے اسی کا دوسرا نام صبر ہے۔ آج کل ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ تنازعات بہت بُری چیز ہے مگر اس سے بچنے کا جو طریقہ ہے یعنی خلافِ طبعیت باتوں پر صبر کرنا اور اپنی بات منوانے کی فکر نہ کرنا یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے اسی لئے اتفاق و اتحاد کی ساری نصیحتیں بے سود ہو جاتی ہیں۔ اگر انسان دوسرے سے اپنی بات نہیں منوا سکتا تو چاہیئے کہ دوسرے کی بات مان لے اور اگر ایسا صحیح نہیں تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لئے سکوت اختیار کر لے۔ اس لئے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تا کہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ لَا تَنَازَعُوْا فرمایا یعنی باہمی کشاکش کو روکا ہے اختلافِ رائے کے اظہار سے منع نہیں کیا۔ اختلافِ رائے جو دیانت اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ کبھی نزاع کی صورت اختیار

نہیں کیا کرتا۔ نزاع وجدال وہیں ہوتا ہے جہاں اختلاف رائے کے ساتھ اچھی بات منوانے اور دوسرے کی بات نہ ماننے کا جذبہ کام کررہا ہو۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کیا ہر اختلاف مذموم ہے، یا کوئی اختلاف غیر مذموم بھی ہے، جواب یہ ہے کہ ہر اختلاف مذموم نہیں ہے، بلکہ مذموم وہ اختلاف ہے جس میں اپنی نفس کی خواہشات کے پیچھے لگ کر قرآن سے دور رہ کر سوچا جائے، لیکن قرآن کی اتباع کرتے ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح وتفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی بنا پر اگر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا۔ صحابہ و تابعین اور فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا، اور اسی اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔

اب رہی انفرادی طور پر باہمی تنازعات واختلافات کا معاملہ تو اس کے لئے بھی قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات فراہم کرتا ہے۔ اس نظام اور ضابطہ حیات کے مطابق ہر فرد اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کرکے اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو درست کرلے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ باہمی اختلافات وتنازعات اُس کے لئے مضر ثابت ہوں یا اُن کا حل نہ نکالا جا سکے۔ یہ وہ حکیمانہ اصول ہے جسکو لے کر ایک مسلمان ساری دنیا کو للکار سکتا ہے کہ یہی صحیح راستہ ہے، اس طرف آؤ، اور مسلمان اس پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے۔ لیکن افسوس کہ یورپ والوں کی گہری سازش جو اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے صدیوں سے چل رہی ہے وہ خود اسلام کے دعویداروں میں کامیاب ہوگئی اور اب امتِ اسلامیہ کی وحدت عربی، مصری، ہندی، سندھی میں بٹ کر پارہ پارہ ہوگئی۔ قرآن کریم کی یہ آیت ہر وقت ار ہر جبہ ان سب کو یہ دعوت دے رہی ہے کہ یہ درحقیقت جاہلانہ امتیازات ہیں اور ان کی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت کوئی معقول وحدت نہیں اس لئے اللہ کی رسی کی وحدت اختیار کرو جس نے ان کو پہلے بھی ساری دنیا میں غالب اور سربلند بنایا اور اگر پھر ان کی قسمت میں کوئی خیر مقدر ہے تو وہ اسی راستہ سے مل سکتی ہے۔

☆.....☆.....☆

صبر انسان میں ایک ایسی داخلی قدرت کا نام ہے جو ایمانی قوت سے پیدا ہوتی ہے، جس کے ذریعہ اپنی خواہشات پر قابو پانے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر قناعت کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمہ پر روئے بھی نہیں۔ کسی تکلیف یا صدمہ پر رنج وافسوس کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے کسی تکلیف یا مصیبت کے وقت رونے پر کوئی پابندی نہیں لگائی کیونکہ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کسی تکلیف یا صدمہ یا حادثہ پر اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کر کے اس کو تسلیم کیا جائے۔ ویسے تو ہر شخص اپنی زندگی میں بے شمار مرتبہ صبر کرتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی صورت میں ہی صبر کرنا عبادت بنے گا، ورنہ مجبوری۔

صبر کی توفیق

سب سے بہتر اور وسیع تر عطیہ

جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ السلام کا مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنا صبر ایوبی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی اولاد کے انتقال کے علاوہ آپ کا تمام مال بھی ختم ہو گیا تھا، نیز متعدد بیماریاں آپ کو لگ گئی تھیں، جن کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو الگ تھلگ کر دیا تھا مگر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی بے مثال خدمت کی۔ جب بیوی کو بھی آپ کی وجہ سے بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تکلیفوں کی دوری کے لئے دعا فرمائی، چنانچہ آپ کو مکمل صحت عطا کر دی گئی۔

صبر کی متعدد اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالانا خواہ بظاہر مزاج کے خلاف ہو۔ مثلاً گرم بستر چھوڑ کر نماز فجر کی ادائیگی کرنا۔ مال کی محبت اور اُس کی ضرورت کے باوجود زکوٰۃ کے فرض ہونے پر

زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا۔(۲) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن سے بچنا خواہ نفس کی خواہش ہو۔ مثلاً شراب پینے اور رشوت لینے سے بچنا۔(۳) اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر صبر کرنا، یعنی جو بھی حالات آئیں اُن پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام ''قرآن کریم'' میں جگہ جگہ صبر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ چند آیات پیش ہیں: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوں اُن کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں۔ مگر تم کو (اُن کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا۔ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو۔ (سورۃ البقرہ ۱۵۳۔۱۵۵) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: اے ایمان والو! صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو۔ (سورۃ آل عمران ۲۰۰) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر وثواب عطا کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اُن کا ثواب انہیں بے حساب دیا جائے گا۔ (سورۃ الزمر ۱۰) حالات پر صبر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ہمت والا کام قرار دیا چنانچہ فرمان الٰہی ہے: جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کر جائے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ سورۃ العصر میں خالق کائنات نے انسان کی کامیابی کے لئے صبر اور صبر کی تلقین کو لازم قرار دیا۔

قیامت تک آنے والے انس وجن کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنے قول وعمل سے صبر کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ نبی بنائے جانے سے لے کر وفات تک آپ ﷺ کو بے شمار تکلیفیں دی گئیں۔ آپ ﷺ کے اوپر اونٹنی کی اوجھڑی ڈالی گئی۔ آپ ﷺ کے اوپر گھر کا کوڑا ڈالا گیا۔ آپ ﷺ کو کاہن، جادوگر اور مجنوں کہہ کر مذاق اڑایا گیا۔ آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دی گئی۔ آپ ﷺ کا تین سال تک بائیکاٹ کیا گیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔ آپ ﷺ کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ آپ ﷺ غزوۂ احد کے موقع پر زخمی کئے گئے۔ آپ ﷺ کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی گئی۔ آپ ﷺ نے کبھی ایک دن میں دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ آپ ﷺ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے۔ آپ ﷺ کے گھر میں دو دو مہینے تک چولھا نہیں جلا۔ آپ ﷺ

کے اوپر پتھر کی چٹان گرا کر مارنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ ﷺ کی ساری اولاد کی آپ ﷺ کے سامنے وفات ہوئی۔ غرضیکہ سید الانبیاء وسید البشر کو مختلف طریقوں سے ستایا گیا، مگر آپ ﷺ نے کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا، آپ ﷺ رسالت کی اہم ذمہ داری کو استقامت کے ساتھ بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔ ہمیں آپ ﷺ کی زندگی سے یہ سبق لینا چاہئے کہ گھریلو یا ملکی یا عالمی سطح پر جیسے بھی حالات ہمارے اوپر آئیں، ہم ان پر صبر کریں اور اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، بیماری، غم، رنج، دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ وہ کانٹا بھی جو اس کو چبھتا ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی غلطیاں معاف فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے بچا لیتے ہیں اور جو بے نیازی طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتے ہیں۔ جو صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کرتے ہیں۔ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کا سارا معاملہ ہی عجیب ہے کہ اس کے تمام کام اس کے لئے خیر ہیں۔ مؤمن کے علاوہ کسی کو یہ چیز (اللہ کی عظیم نعمت) حاصل نہیں۔ اگر اس کو خوشحالی میسر آتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ شکر کرنا اس کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر اس کو تنگ دستی آجائے تو صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا اس کے لئے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ اُس نے کہا مجھ سے ہٹ جاؤ۔ تمہیں میری والی مصیبت نہیں پہنچی اور نہ تم اس کو جانتے ہو۔ اس عورت نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا تھا۔ جب اس کو بتا گیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ تھے، تو وہ حضور اکرم ﷺ کے دروازہ پر حاضر ہوئی اور وہاں کسی دربان کو نہ دیکھا تو کہنے لگی۔ میں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ صبر وہی ہے جو تکلیف کے آغاز میں کیا جائے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) یعنی کسی مصیبت یا پریشانی کے آنے پر شروع سے

ہی صبر کرنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر اسے کرنا ہی ہو تو یوں کہے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میں میرے لئے خیر ہے اور مجھے موت دے جب موت میں میرے لئے بہتری ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دنیا میں بھی گناہ کی سزا جلد دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو گناہ کے باوجود سزا کو روک دیتا ہے تاکہ پوری سزا قیامت کے دن دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جو اس آزمائش سے راضی ہو اس کے لئے اللہ کی رضامندی ہے اور جو ناراض ہو اس کے لئے اللہ کی ناراضگی ہے۔ (ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں بہادر وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول کرے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن مرد وعورت کی جان، اولاد اور مال پر آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر دل کا غمگین ہونا اور آنکھوں سے آنسوں کا بہنا ایک فطری تقاضہ ہے۔ مگر بلند آواز سے مرحوم کے اوصاف بیان کر کے رونے پیٹنے، کپڑوں کے پھاڑنے اور گریہ وزاری کرنے سے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ہمیں ایسے موقع پر صبر سے کام لینا چاہئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کوئی بندہ بھی اپنی مصیبت میں یہ کہے: ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا'' تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مصیبت میں اس کا ثواب عطا کرتا ہے اور اس سے بہتر چیز اسے عطا کرتا ہے۔ چنانچہ جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق یہ دعا پڑھی، حالانکہ میں سوچ

رہی تھی کہ اُن سے بہتر کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن سے بہتر دولت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا۔ (صحیح مسلم) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت ابوسلمہؓ سے ہوا تھا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ کو آپ کے خاندان والوں نے حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرنے سے روک دیا تھا اور گود کا بچہ بھی چھین لیا تھا۔ بعد میں حضرت ام سلمہؓ کی حالت پر ترس کھا کر خاندان والوں نے بچہ کو دے دیا تھا اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ آپ پہلی مہاجر خاتون تھیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کی جنگ احد کے زخموں سے وفات ہوگئی تھی۔ چار بچے یتیم چھوڑے۔ جب کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے کس بچوں اور ان کی حالت پر رحم کھا کر ان سے نکاح کر لیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی بشر ایسا نہیں ہے جس کو پریشانیوں، مصیبتوں، تکلیفوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ خالق کائنات نے قرآن کریم (سورۃ البلد) میں چار چیزوں کی قسم کھا کر قیامت تک کے لئے اصول وضابطہ بیان فرما دیا کہ دنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ اُسے زندہ رہنے کے لئے کسی نہ کسی شکل میں مشقت ضرور اٹھانی پڑتی ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا حاکم یا دولت مند شخص کیوں نہ ہو۔ انبیاء، صحابہ، علماء اور صالحین کو بھی دشوار کن مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ ہمارے اوپر جو پریشانیاں اور دشواریاں آتی ہیں وہ یا تو ہمارے اعمال کی سزا ہوتی ہیں یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہماری آزمائش ہوتی ہے۔ لہٰذا مصیبت یا پریشانی کے وقت گناہوں سے توبہ واستغفار کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اسی میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے۔ دشواریوں اور پریشانیوں کے وقت رب العالمین نے ہمیں صبر کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اِن دِنوں مسلمانوں کے سامنے علاقائی وعالمی سطح پر بے شمار مسائل درپیش ہیں، جن کے حل کے لئے متعدد فارمولے پیش کئے جاسکتے ہیں، لیکن سب سے اہم فارمولا یہ ہے کہ ہم اپنا تعلق خالق کائنات سے مضبوط کریں اور خالق کائنات کے حکم کی روشنی میں حالات پر صبر کر کے نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں۔

☆.....☆.....☆

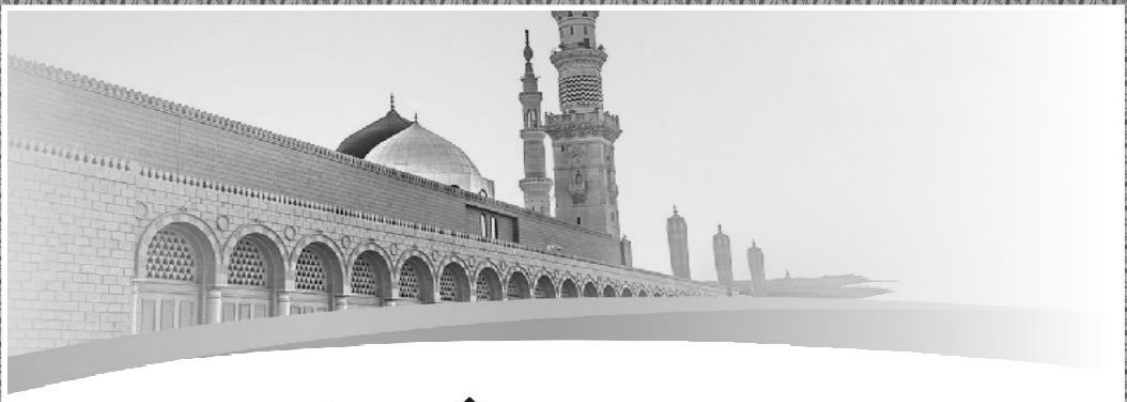

دو مسنون قرآنی دعائیں

رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں، پس آپ ہمارے لیے ہمارے گناہ معاف کر دیجیے اور ہمیں آگ والے عذاب سے بچا لیجیے۔ (سورۃ آل عمران : 16)

حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (صبح وشام سات سات مرتبہ)

میرے لیے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنیؒ)

غزوہ ذات العشیرہ کا مقام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ قریش کے قافلے کے تعاقب میں اس مقام کی طرف کوچ فرمایا

سریہ رجیع کا مقام:

جہاں حفاظ قراء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دھوکے سے شہید کیا گیا